نقد و استدراک

صلحِ حدیبیہ کی بعض شرائط کی منسوخی کا مسئلہ

محمد رضی الاسلام ندوی

مجلہ تحقیقاتِ اسلامی کے شمارے جنوری - مارچ ۲۰۰۱ء میں استاذِ محترم پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی کا ایک مقالہ "حضرت مروان بن حکم اموی اور امام بخاری" شائع ہوا ہے۔ اس میں صحیح بخاری میں حضرت مروان سے مروی احادیث و روایات کا تذکرہ اور تجزیہ کیا گیا ہے۔ صلحِ حدیبیہ سے متعلق ایک روایت کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے فاضل مقالہ نگار نے لکھا ہے:

> "اس سے قبل (امام بخاری نے) یہی حدیث نبوی حضرات مروان ومسور بن مخرمہ سے مختصراً کتاب الشروط کے آغاز میں نقل کی ہے۔ اس کی بنیادی تعلیمات یہ ہیں..... جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سہیل بن عمرو نے معاہدہ طے کیا تو سہیل نے یہ شرط رکھی کہ مکہ والوں میں سے اگر کوئی آپ کے پاس آئے گا تو اسے واپس کرنا ہوگا خواہ وہ آپ ہی کے دین پر ہو۔ مسلمانوں کو یہ شرط ناپسند تھی۔ مگر سہیل نے اسی شرط پر معاہدہ کرنے پر اصرار کیا۔ لہٰذا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شرط قبول کر لی اور اس کے مطابق حضرت ابو جندل اور تمام مسلمانوں کو جو حاضرِ خدمتِ نبوی ہوئے، واپس کر دیا۔ البتہ جب مومن خواتین جن میں حضرت ام کلثوم بنتِ عقبہ اموی بھی شامل تھیں، ہجرت کر کے مدینہ پہنچیں تو آپؐ نے ان کے اہل و خاندان والوں کے اصرار کے باوجود انھیں واپس کرنے سے انکار کر دیا۔ کیونکہ سورۂ ممتحنہ ۱۰ نے ان کی واپسی ممنوع اور اس سے متعلق شرط منسوخ کر دی تھی" (ص ۲۶-۲۷)

آگے بخاری کی کتاب المغازی میں حضرت مروان سے مروی روایت کے جو بنیادی نکات نقل کیے ہیں، ان میں سے ایک نکتہ یہ ہے:

"مومنات مہاجرات اور حضرت ام کلثوم اموی کے باب میں حکمِ الٰہی کے سبب شرطِ مذکور کی منسوخی" (ص ۲۷-۲۸)

اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ کی شرائط کے مطابق مومن خواتین کو واپس کرنے سے اس لیے انکار کر دیا تھا، کیونکہ آپؐ نے حکمِ الٰہی کے بموجب شرائط کی اس شق کو منسوخ کر دیا تھا۔ یہ فاضل مقالہ نگار کا استنباط ہے، متونِ روایات میں اس کی صراحت نہیں ہے۔ الفاظ یہ ہیں:

فجاء أهلها يسألون النبي صلى الله عليه وسلم أن يرجعها اليهم، فلم يرجعها اليهم، لما أنزل الله فيهن إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ [۱]

فجاء أهلها يسألون رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يرجعها اليهم، حتى انزل الله تعالى فى المومنات ما انزل [۲]

ان روایات سے بہت سے محدثین و مفسرین کرام نے یہ استنباط کیا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن خواتین کو واپس نہ کرنے کا فیصلہ مذکورہ شرط کی منسوخی کے سبب کیا تھا اور انہی کی متابعت میں فاضل مقالہ نگار نے بھی یہ بات لکھ دی ہے۔ لیکن اس پر چند زبردست اشکالات وارد ہوتے ہیں:

۱۔ اسلام میں عہد کی پاس داری پر بہت زور دیا گیا ہے اور مسلمانوں کو ڈرایا گیا ہے کہ اس معاملہ میں انھوں نے کوتاہی کی تو قیامت میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان سے بازپرس ہوگی۔ عہد کے لوازم میں سے ہے کہ فریقِ ثانی کی موافقت کے بغیر اس کی کسی شق کو اپنے طور پر کالعدم نہ کر دیا جائے۔ پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکینِ مکہ کی منظوری کے بغیر معاہدۂ حدیبیہ کی ایک شرط کو کیوں منسوخ قرار دے دیا؟!

---

[۱] صحیح بخاری، کتاب الشروط، باب مایجوز من الشروط فی الاسلام

[۲] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الحدیبیہ

۲۔ صلحِ حدیبیہ کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ قبائلِ عرب کو اختیار ہوگا کہ مسلمانوں اور مشرکین قریش میں سے جس کے ساتھ چاہیں معاہدہ میں شریک ہوجائیں۔ اس بنا پر بنوخزاعہ مسلمانوں کے اور بنوبکر قریش کے حلیف بن گئے تھے۔ بنوبکر نے اس معاہدہ کی خلاف ورزی کی اور بنوخزاعہ پر حملہ کرکے ان کے بہت سے لوگوں کو قتل کردیا حتی کہ حدودِ حرم کی بھی رعایت نہ کی۔ قریش کے سرداروں نے علانیہ ان کی مدد کی۔ یہ خلاف ورزی معاہدۂ صلح توڑ دینے کے مترادف تھی اور چونکہ اس کی پہل قریش کی جانب سے ہوئی تھی اس لیے اب مسلمان بھی اس کے پابند نہیں رہے تھے۔ چنانچہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خفیہ تیاری کرکے مکہ پر چڑھائی کردی اور بغیر خون خرابہ کے اسے فتح کرلیا۔ اگر مومن خواتین کی عدم واپسی متعلقہ شرط کی منسوخی کے سبب مان لی جائے تو اس سے لازم آتا ہے کہ قریش سے قبل اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی معاہدۂ صلح کی ایک شرط کی خلاف ورزی کرچکے تھے۔ پھر قریش ہی نقضِ معاہدہ کے قصوروار کیوں ٹھہرے؟!

۳۔ ایک اشکال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض مصالح کے پیش نظر شرائطِ معاہدۂ صلح کی ایک شق کو اپنے طور پر منسوخ کرکے مومن خواتین کو واپس کرنے سے انکار کردیا تھا تو قریش نے اسے ٹھنڈے پیٹوں کیوں کر برداشت کرلیا؟ انھوں نے مسلمانوں پر معاہدہ توڑنے کا الزام کیوں نہیں لگایا؟ روایات میں آتا ہے کہ ابھی معاہدہ کی دستاویز لکھی جارہی تھی کہ حضرت ابوجندلؓ بیڑیوں میں گھسٹتے ہوئے وہاں آگئے۔ اس موقع پر مشرکین نے اسی معاہدہ کا حوالہ دے کر ان کی واپسی کا مطالبہ کیا تھا اور اس پر اس قدر اصرار کیا تھا کہ اللہ کے رسولؐ اور مسلمانوں کو ان کا مطالبہ تسلیم کرنا پڑا تھا۔ جب مشرکین نے مردوں کے سلسلے میں اتنا سخت رویّہ اختیار کیا تھا تو انھوں نے عورتوں کے معاملے میں اس قدر کمزوری کا مظاہرہ کیوں کیا؟ اور جب اللہ کے رسولؐ نے عورتوں کو واپس کرنے سے انکار کیا تو انھوں نے معاہدۂ صلح کا حوالہ دے کر احتجاج کیوں نہیں کیا؟

قدیم مفسرین و محدثین کی توجہ ان اشکالات کی طرف نہیں گئی، چنانچہ انھوں نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ سورۂ ممتحنہ کی آیات کے ذریعہ معاہدۂ صلح کی ایک شرط منسوخ کردی گئی یا اس میں تخصیص پیدا کردی گئی۔ قرطبیؒ فرماتے ہیں:

اکثر العلماء علی ان هذا ناسخ لما کان علیه الصلوٰة والسلام عاهد علیه قریشًا من انه یرد الیهم من جاء منهم مسلمًا فنسخ من ذالك النساء [1]

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش سے جو معاہدہ کیا تھا اس کی ایک دفعہ یہ تھی کہ مکہ سے اگر کوئی شخص مسلمان ہو کر آپ کے پاس آئے گا تو اسے واپس کردیں گے۔ اکثر علماء کا خیال ہے کہ اس آیت نے عورتوں کے معاملے میں معاہدہ کی شق کو منسوخ کر دیا۔

ابن کثیرؒ نے لکھا ہے:

فعلی هذه الروایة تکون هذه الآیة مخصّصة للسنة، وهذا من احسن امثلة ذالك، وعلی طریقة بعض السلف ناسخة [2]

اس روایت کی رو سے یہ آیت سنت کی تخصیص کرنے والی ہے۔ قرآن کے ذریعہ سنت کی تخصیص کی یہ ایک بہترین مثال ہے۔ سلف میں سے بعض حضرات اسے ناسخ قرار دیتے ہیں۔

البتہ عصرِ حاضر کے بعض علماء کو، ان اشکالات کی وجہ سے، یہ توجیہات کھٹکی ہیں۔ مثلاً شیخ محمد علی صابونی فرماتے ہیں:

"ان اقوال کی تحقیق وتمحیص کی ضرورت ہے۔ اس لیے کہ یہ اسلامی شریعت کی روح کے منافی ہیں، جس کی رو سے عہد کی پاس داری مسلمانوں پر لازم ہے اور کسی فریق کے لیے زیبا نہیں کہ وہ دوسرے فریق کی موافقت کے بغیر اپنے طور پر معاہدہ کی کسی شق کو مستثنیٰ یا کالعدم کر دے"[3]

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اس موضوع پر بہت تفصیل سے لکھا ہے اور ان اشکالات کا تذکرہ کرکے انھیں حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے

---

[1] الجامع لاحکام القرآن۔ قرطبی، الہیئۃ المصریہ العامۃ للکتاب ۱۹۸۷ء، ۱۸/۶۲

[2] تفسیر ابن کثیر، مطبع مصطفی محمد مصر، ۱۳۵۶ھ، ۴/۳۵۰

[3] روائع البیان فی تفسیر آیات الاحکام، محمد علی صابونی، مکتبۃ الغزالی دمشق ۱۹۷۷ء، طبع دوم، ۲/۵۶۰

کہ یہاں ان کی پوری بحث نقل کردی جائے:

"اس مقام پر احادیث کی روایت بالمعنی سے ایک بڑی پیچیدگی پیدا ہوگئی ہے جسے حل کرنا ضروری ہے۔ صلح حدیبیہ کی شرائط کے متعلق احادیث میں جو روایتیں ہمیں ملتی ہیں وہ اکثر و بیشتر بالمعنی روایات ہیں۔ زیر بحث شرط کے متعلق ان میں سے کسی روایت کے الفاظ یہ ہیں من جاء منکم لم نردّہ علیکم ومن جاءکم منّا رددتموہ علینا (تم میں سے جو شخص ہمارے پاس آئے گا اسے ہم واپس نہ کریں گے اور ہم میں سے جو تمہارے پاس جائے گا اسے تم واپس کرو گے) کسی میں یہ الفاظ ہیں: من اتی رسول اللہ من اصحابہ بغیر اذن ولیّہ ردّہ علیہ (رسول اللہؐ کے پاس ان کے اصحاب میں سے جو شخص اپنے ولی کی اجازت کے بغیر آئے گا اسے وہ واپس کردیں گے) اور کسی میں ہے من اتی محمداً من قریش بغیر اذن ولیّہ ردّہ علیھم (قریش میں سے جو شخص محمدؐ کے پاس اپنے ولی کی اجازت کے بغیر جائے گا اسے وہ قریش کو واپس کردیں گے) ان روایات کا طرز بیان خود یہ ظاہر کررہا ہے کہ ان میں معاہدہ کی اس شرط کو ان الفاظ میں نقل نہیں کیا گیا ہے جو اصل معاہدہ میں لکھے گئے تھے، بلکہ راویوں نے ان کا مفہوم خود اپنے الفاظ میں بیان کردیا ہے۔ لیکن چونکہ بکثرت روایات اسی نوعیت کی ہیں اس لیے عام طور پر مفسرین و محدثین نے اس سے یہی سمجھا کہ معاہدہ عام تھا جس میں عورت مرد سب داخل تھے اور عورتوں کو بھی اس کی رُو سے واپس ہونا چاہیے تھا۔ اس کے بعد جب ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم آیا کہ مومن عورتیں واپس نہ کی جائیں تو ان حضرات نے اس کی یہ تاویل کی کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مومن عورتوں کی حد تک معاہدہ توڑ دینے کا فیصلہ فرمادیا۔ مگر یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے جس کو اس آسانی کے ساتھ قبول کرلیا جائے۔ اگر معاہدہ فی الواقع بلا تخصیص مرد و زن سب کے لیے عام تھا تو آخر یہ کیسے جائز

ہو سکتا تھا کہ ایک فریق اس میں یک طرفہ ترمیم کر دے یا اس کے کسی جزء کو بطورِ خود بدل ڈالے؟ اور بالفرض ایسا کیا بھی گیا تھا تو یہ کیسی عجیب بات ہے کہ قریش کے لوگوں نے اس پر کوئی احتجاج نہیں کیا۔ قریش والے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی ایک ایک بات پر گرفت کرنے کے لیے خار کھائے بیٹھے تھے۔ انہیں اگر یہ بات ہاتھ آجاتی کہ آپ شرائطِ معاہدہ کی صریح خلاف ورزی کر گزرے ہیں تو وہ زمین و آسمان سر پر اٹھا لیتے۔ لیکن ہمیں کسی روایت میں اس کا شائبہ تک نہیں ملتا کہ انھوں نے قرآن کے اس فیصلے پر ذرّہ برابر بھی چوں چرا کی ہو۔ یہ ایسا سوال تھا جس پر غور کیا جاتا تو معاہدے کے اصل الفاظ کی جستجو کر کے اس پیچیدگی کا حل تلاش کیا جاتا۔ مگر بہت سے لوگوں نے تو اس کی طرف توجہ نہ کی اور بعض حضرات (مثلاً قاضی ابوبکر ابن عربی) نے توجہ کی بھی تو انھوں نے قریش کے اعتراض نہ کرنے کی یہ توجیہ تک کرنے میں تامل نہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے بطورِ معجزہ اس معاملہ میں قریش کی زباں بندی کر دی تھی[1]۔ تعجب ہے کہ اس توجیہ پر ان حضرات کا ذہن کیسے مطمئن ہوا۔

اصل بات یہ ہے کہ معاہدۂ صلح کی یہ شرط مسلمانوں کی طرف سے نہیں بلکہ کفارِ قریش کی طرف سے تھی اور ان کی جانب سے ان کے نمائندے سہیل بن عمرو نے جو الفاظ معاہدے میں لکھوائے تھے وہ یہ تھے: علی ان لا یاتیك منا رجل وان کان علی دینك الا رددته الینا[2] (اور یہ کہ تمہارے پاس ہم میں سے کوئی مرد بھی آئے، اگرچہ وہ تمہارے دین ہی پر ہو، تم اسے ہماری طرف واپس

---

[1] ابن العربی کے الفاظ یہ ہیں: وکان ذلك من المعجزات، الّا انّ اللہ عزّوجل قبض السنتہم عن ان یقولوا غدر محمد، حتی انزل اللہ ذلك فی النساء وذلك احد معجزاته: احکام القرآن، مطبعۃ السعادۃ مصر ۱۳۳۱ھ ۲/ ۲۵۰

[2] اس روایت میں علی انّه لا یاتیك ..... کے الفاظ ہیں۔

کروگے) معاہدے کے یہ الفاظ بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجہاد والمصالحہ[1] میں قوی سند کے ساتھ نقل ہوئے ہیں، ہوسکتا ہے کہ سہیل نے رجل کا لفظ شخص کے معنی میں استعمال کیا ہو، لیکن یہ اس کی ذہنی مراد ہوگی۔ معاہدے میں جو لفظ لکھا گیا ہے وہ رجل ہی تھا جو عربی زبان میں مرد کے لیے بولا جاتا ہے۔ اسی بنا پر جب ام کلثوم بنت عقبہ کی واپسی کا مطالبہ لے کر ان کے بھائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو (امام زہری کی روایت کے مطابق) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو واپس کرنے سے یہ کہہ کر انکار فرمایا کہ کان الشرط فی الرجال دون النساء (شرط مردوں کے بارے میں تھی نہ کہ عورتوں کے بارے میں) (احکام القرآن، ابن عربی۔ تفسیر کبیر، امام رازی[2]) اس وقت تک خود قریش کے لوگ بھی اس غلط فہمی میں تھے کہ معاہدے کا اطلاق ہر طرح کے مہاجرین پر ہوتا ہے۔ خواہ وہ مرد ہوں یا عورت۔ مگر جب حضورؐ نے ان کو معاہدے کے ان الفاظ کی طرف توجہ دلائی تو وہ دم بخود رہ گئے اور انھیں ناچار اس فیصلے کو ماننا پڑا۔"[3]

مولانا امین احسن اصلاحی نے بھی اس موضوع پر اچھی بحث کی ہے۔ انھوں نے یہ نکتہ اٹھایا ہے کہ اگر اسی روایت کو تسلیم کرلیا جائے جس کے مطابق معاہدہ میں "احد" کا لفظ تھا (نہ کہ رجل تھا) تو بھی یہ لفظ عورتوں کے معاملہ میں صریح اور قطعی نہیں ہے۔ فرماتے ہیں:

"اس دفعہ کے بارے میں اگرچہ راویوں کے درمیان اختلاف ہے لیکن عروہ، ضحاک، عبدالرحمٰن بن زید، زہری، مقاتل بن حیان اور سدی سے جو روایت ہے اس کے الفاظ یہ ہیں: علی انہ لایاتیک

---

[1] اس روایت میں علی انّہ لایاتیک ..... کے الفاظ ہیں

[2] احکام القرآن ۲/۲۵۰، تفسیر کبیر رازی المطبعۃ العامرہ مصر ۱۳۰۸ھ، ۸/۱۳۵

[3] تفہیم القرآن۔ مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، طبع اول ۱۹۷۱ء، ۵/۴۳۴-۴۳۶

منا احد، وان کان علی دینك، الا رددته الینا .....

اس دفعہ کو مسلمانوں نے مردوں کی حد تک تو قبول کر لیا ..... لیکن عورتوں کے باب میں مسلمانوں نے ان الفاظ کو واضح نہیں تسلیم کیا اور جو شخص بھی عربی زبان سے واقف ہے، وہ اس امر سے انکار نہیں کر سکتا کہ یہ الفاظ عورتوں کی واپسی کے بارے میں واضح ہیں بھی نہیں۔

معاہدہ کے الفاظ جو اوپر نقل ہوئے ہیں، اس میں 'احد' کا لفظ اپنے اندر اگرچہ عموم کا مفہوم رکھتا ہے لیکن غور سے دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ بعد میں جتنی ضمیریں اور فعل بھی آئے ہیں سب مذکر ہیں۔ ایسی صورت میں ایک شخص یہ تو کہہ سکتا ہے کہ 'احد' کے عموم میں عورتیں بھی داخل ہیں، لیکن کوئی عاقل یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ مردوں کی طرح عورتوں کے باب میں بھی یہ الفاظ قطعی ہیں۔ بلکہ اس کے برعکس یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ اگر فریقین کا منشا یہ ہوتا کہ عورتوں پر بھی یہ دفعہ قطعی طور پر حاوی ہو تو 'احد' کے بعد "ذکر کان او انثی" یا اس کے ہم معنی کوئی تصریح ضرور بڑھائی جاتی۔ لیکن جب اس طرح کی کوئی تصریح نہیں بڑھائی گئی درآنحالیکہ معاہدہ کا مزاج اس کا مقتضی تھا تو اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ معاہدہ کے وقت فریقین کے ذہن میں عورتوں کا مسئلہ نہیں تھا۔

اس اجمال نے قدرتی طور پر مسلمانوں اور قریش کے درمیان ایک قضیہ کی صورت اختیار کر لی اور یہ قضیہ معلوم ہوتا ہے اس سورت کے زمانۂ نزول میں زیادہ اہمیت حاصل کر گیا۔ اس لیے کہ بہت سی عورتیں بھی ہجرت کر کے مدینہ پہنچیں اور ضروری ہوا کہ مسلمان اس باب میں کوئی قطعی پالیسی اختیار کریں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایک قطعی فیصلہ فرمایا اور ساتھ ہی یہ تصریح بھی فرما دی کہ ذلکم حکم اللہ یحکم بینکم، واللہ علیم حکیم (یہ اللہ کا فیصلہ ہے جو وہ تمہارے درمیان کر رہا ہے اور اللہ علیم و حکیم ہے)[1] (حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مولانا سید جلال الدین عمری نے بھی اپنے ایک مضمون میں اس موضوع سے بحث کی ہے۔ انھوں نے "نسخ" اور "تخصیص" کی توجیہات ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:

> "ان دونوں توجیہات سے ہٹ کر ایک اور توجیہ بھی ہو سکتی ہے۔ وہ یہ کہ بخاری کی ایک روایت میں معاہدہ کی اس دفعہ میں "احد" (کوئی) کی جگہ "رجل" (مرد) کا لفظ آیا ہے ..... اس کا مطلب یہ ہے کہ معاہدہ میں صراحت کے ساتھ مردوں کا تو ذکر ہے لیکن عورتوں کے بارے میں وہ خاموش ہے۔ اس بنا پر جو عورتیں اسلام لانے کے بعد مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آئیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں واپس نہیں بھیجا۔ مشرکین کی طرف سے کبھی اعتراض ہوا بھی تو آپ نے فرمایا "معاہدہ مردوں سے متعلق ہے عورتوں سے متعلق نہیں ہے"۔ وہ اس کی تردید نہیں کر سکے"۔[٢]

اسی توجیہ کی طرف سید قطب کی تفسیر میں بھی اشارہ ملتا ہے۔ فرماتے ہیں:

ویظہر ان النص لم یکن قاطعاً فی موضوع النساء[٣]	معلوم ہوتا ہے کہ معاہدہ کا متن عورتوں کے معاملے میں قطعی نہیں تھا۔

یہ توجیہ قدیم مفسرین میں سے امام رازی نے کی ہے۔ سورۂ ممتحنہ کی آیت ١٠ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

فنزلت بیاناً لان الشرط انما کان للرجال دون النساء[٤]	اس آیت نے معاہدہ کی تشریح کر دی۔ اس لیے کہ معاہدہ صرف مردوں کے بارے میں تھا۔ اس کا اطلاق عورتوں پر نہیں ہوتا تھا۔

---

[١] تدبر قرآن: فاران فاؤنڈیشن لاہور، ١٩٧٩ء طبع اول: ٧/٣٣٦-٣٣٧

[٢] سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ، جلد ١٥ شمارہ ٢، اپریل-جون ١٩٩٦ء ص ٨، مضمون "مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان ازدواجی تعلقات"

[٣] فی ظلال القرآن طبع پنجم ١٩٦٧ء جلد ٨، جزء ٢٨، ص ٦٧ [٤] تفسیر کبیر ٨/١٣٥

١٣١

علامہ آلوسی نے بھی یہی توجیہ پیش کی ہے :

فالآیۃ علی ماقیل نزلت	کہا گیا ہے کہ یہ آیت معاہدہ کی تشریح
بیاناً، لان الشرط فی کتاب	کرنے والی ہے۔ اس لیے کہ دستاویز
المصالحۃ انما کان فی	معاہدہ میں شرط صرف مردوں کے
الرجال دون النساء[1]	بارے میں تھی۔ اس میں عورتیں شامل نہ تھیں۔

اس تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ سورۂ ممتحنہ کی آیات نے معاہدۂ صلح حدیبیہ کی شرائط میں سے کسی شرط کو منسوخ نہیں کیا تھا، بلکہ معاہدہ میں جو ابہام تھا اسے کھول دیا تھا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے الفاظِ معاہدہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کے اطلاق سے مسلمان خواتین کو مستثنیٰ قرار دے دیا تھا اور مشرکین کو ناچار اسے تسلیم کرنا پڑا تھا۔

اسی مقالے میں محترم مقالہ نگار نے صحیح بخاری کتاب العتق، باب من ملک من العرب رقیقاً فوھب وباع وجامع وفدی وسبی الذریۃ کا تذکرہ کرتے ہوئے "جامع" کا ترجمہ "ان کو جمع کر سکتے تھے" کیا ہے (ص۲۱)۔ یہاں جامع کے معنی "مجامعت کرنا" ہیں۔ اس باب کے تحت امام بخاری نے چار احادیث نقل کی ہیں۔ حضرت ابوسعیدؓ کی حدیث میں ہے : خرجنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی غزوۃ بنی المصطلق، فاصبنا سبیا من سبی العرب، فاشتھینا النساء، اسی کی رعایت سے انھوں نے ترجمۃ الباب میں جامع کا لفظ استعمال کیا ہے۔ شارحِ بخاری علامہ ابن حجر فرماتے ہیں:

وفی حدیث ابی سعید ما ترجم بہ من	حضرت ابوسعیدؓ سے مروی حدیث کے مضمون کو دیکھتے ہوئے
الجماع ومن الفدیۃ ایضاً[2]	امام بخاری نے ترجمۃ الباب میں جماع اور فدیہ کے الفاظ رکھے ہیں۔

دوسرے شارح علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں :

قولہ "فوھب" الی اٰخرہ تفصیل قولہ	وَھَبَ اور اس کے بعد کے تمام الفاظ مَلَکَ کی تفصیل
"ملک"، فذکر اشیاء خمسۃ : الھبۃ	ہیں۔ امام بخاری نے اس کی تشریح میں پانچ چیزیں
والبیع، والجماع والفدی والسبی[3]	ذکر کی ہیں ہبہ، بیع، جماع، فدیہ اور سبی۔

• • •

---

[1] روح المعانی، آلوسی، ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر جزء ۲۸، ص ۷۷

[2] فتح الباری بشرح صحیح البخاری، دارالمعرفۃ بیروت ۵/ ۱۷۱

[3] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، مصطفی البابی الحلبی واولادہ مصر ۱۹۷۲ء ۱۰/ ۴۲۹